حضرۃ مولانا قاضی محمد زاھد الحسینی مدظلہ

کسبِ حلال، صدقِ مقال، حُسنِ اعمال، خیر المال

خداوند کریم نے انسان کو پیدا فرمانے کے ساتھ ہی اس میں وہ تمام قوتیں اپنی حکمت اور علم ازلی کی وجہ سے ودیعت فرما دی ہیں جن کی برکت سے وہ اپنی بدنی تربیت کے لیے انتظام کر سکتا ہے، اسی حکمت کی وجہ سے انسان کو کسبِ معاش اختیار کرنے کا متعدد پیرایوں میں حکم فرمایا جس سے اس امر کی اہمیت اور عظمت واضح ہو جاتی ہے، جیساکہ عام انسانوں کو خطاب فرمایا:۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۱۶۸)

اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ، اور پیروی نہ کرو شیطان کی، بے شک وہ تمہارا دشمن ہے صریح۔

اسی طرح ایمان والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ (بقرہ۔۱۷۲)

اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو۔

اسی مسئلہ کی مزید اہمیت اور عظمت کو واضح کرتے ہوئے انبیاء اور رسل علیہم السلام کو خطاب فرمایا حالاں کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاں تو رزقِ حلال ہی پہنچتا ہے:۔

یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ (المومنون ـــ ۵۱)

اے رسولو! کھاؤ ستھری (پاکیزہ اور حلال) چیزیں اور کام کرو بھلا۔

ان تینوں آیات کا تفسیری تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ:۔

- رزقِ حلال کھانے والا شیطان کی پیروی سے محفوظ رہے گا۔
- رزق حلال طیّب کھانے والا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا۔
- طیبات سے اعمالِ صالحہ کی قوت پیدا ہو گی۔

سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رزقِ حلال کی طلب اور اس کی برکات کو یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

"کسبِ حلال کے طلب کرنے کو دوسرے فرائض نماز روزہ وغیرہ کے بعد ایک فریضہ قرار دیا" (ترجمہ مشکوٰۃ)

اور اس کو سب ذرائع حصولِ مال و دولت سے اطیب قرار دیتے ہوئے فرمایا:۔

"سب سے پاکیزہ وہ رزق جو تم کھاتے ہو یہ وہ ہے جو تم اپنے کسب کی برکت سے کماتے ہو" (ترجمہ مشکوٰۃ)

رزقِ حلال کی عظمت اور فضیلت کو یوں بیان فرمایا:۔

"سب سے بہتر وہ خوراک ہے جو اپنے دونوں ہاتھوں کی محنت سے حاصل کیے ہوئے رزق سے ہو، یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے دونوں ہاتھوں کے کسب کی کمائی سے کھایا کرتے تھے" (ترجمہ مشکوٰۃ)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رزقِ حلال کی عظمت کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کو بطور نمونہ پیش فرمایا، اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ـــــــ نہ تو تقویٰ رزقِ حلال کی طلب سے مانع ہو، اس لیے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے صاحبِ کتاب نبی تھے۔ جب صاحبِ کتاب نبی علیہ السلام دونوں ہاتھوں کی مزدوری سے حاصل شدہ رزق تناول فرماتا ہے تو دوسرے لوگ اس کو کیوں عار اور شرم سمجھتے ہیں ـــــــ اور نہ ہی حکومت اور سلطنت رزقِ حلال کی طلب سے مانع ہو اس لیے کہ حضرت داؤد علیہ السلام فلسطین کے بادشاہ بھی تھے مگر قومی مال سے کھانے کے بجائے اپنی محنت اور مشقت کو ذریعۂ معاش بنایا تھا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام تجاری، حضرت ادریس علیہ السلام خیاطی، حضرت ابراہیم علیہ السلام بزآزی کا کام کرتے تھے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سوت کاتا کرتی تھیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابتدائی عمر میں اہلِ مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ بھی فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام نے گلہ بانی فرمائی ہے۔ اس گلہ بانی سے حاصل شدہ رزق آپؐ کا وسیلۂ معاش تھا، حالانکہ آپؐ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب سربراہِ مکہ تھے، مال و دولت موجود تھا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مزدوری سے رزق حاصل فرمایا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت کیلئے لے جایا کرتے تھے بعطا نبوت کے بعد یوں ارشاد فرمایا:۔

"میرا رزق میرے نیزے کے سائے کے نیچے ہے" یعنی غلبۂ اسلام کے لیے جو جہاد کیا جاتا ہے اس میں سے جو مجھے مالِ غنیمت ملتا ہے وہ میرا رزق ہے۔

اسی طرح تمام صحابۂ کرامؓ، ائمہ حضرات، علماء سابقین نے محنت کی اور مشقت سے اپنا رزقِ حلال حاصل کیا اور

اس کو عار نہیں بلکہ عزت سمجھا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مشہور رباعی ہے ؎

لنقل الصخر من قلل الجبال ‏ ‏ ‏ ‏ احب الی من منن الرجال

یقول الناس فی الکسب عار ‏ ‏ ‏ ‏ فقلت العار فی ذل السوال

کسب کو معزز سمجھنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چوم لیے جو رزقِ حلال کے لیے پتھروں کو کوٹ کر روڑی بناتے تھے۔ رزقِ حلال کے لیے کسب کرنا بہت بڑی عبادت ہے، جیساکہ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ ـــــ " بعض ایسے گناہ ہیں جو دوسری عبادتوں سے بھی معاف نہیں ہو سکتے لیکن جب ایک آدمی رزقِ حلال کی تلاش میں پریشان رہتا ہے اس کے وہ ناقابلِ معافی گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں ـــ"

چنانچہ کسبِ حلال کو عزت اور عبادت سمجھتے ہوئے سابقہ دور میں علماء کرام اور اولیاء عظام نے کوئی نہ کوئی کسب رزقِ حلال کے لیے اختیار کیا جن کے اسمائے گرامیہ کے ساتھ حدّاد، غزّال، دہّان، رمّان، جصّاص، خصّاف، بزاز وغیرھا ایسے القاب موجود ہیں جو کسی نہ کسی کسبِ حلال کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اور احقر کا یہ خیال ہے کہ ان کی مرتبہ کتابوں کو اسی لیے برکت عطا ہوئی کہ ان کا رزقِ حلال تھا اور اس سے دل و دماغ میں تقویٰ اور خلوص پیدا ہوا، اس دماغ سے جو بات نکلی اور اس قلم نے جو بات لکھی وہ مقبول خلائق بنی، چنانچہ رزقِ حلال کی چند برکات ذکر کی جاتی ہیں:۔

(۱) رزقِ حلال کھانے سے نیکی کی طرف رغبت اور بدی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے جس کا مشاہدہ آج بھی کیا جا سکتا ہے رزقِ حلال سے اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا قبول ہوتی ہے ـــ (۲) رزقِ حلال کا متلاشی سارا دن تقریباً اپنی محنت میں مصروف رہتا ہے اس لیے وہ لایعنی امور، اخلاقی گراوٹ، غیبت وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے ـــ (۳) رزقِ حلال کا متلاشی فرد اور قوم اپنی ضروریات کی خود کفیل بن جاتی ہے، دوسری اقوام اور دوسرے ممالک کی محتاج نہیں رہتی ـــ (۴) رزقِ حلال سے پیدا ہونے والی اولاد عموماً نیک صالح محنتی، والدین کی اطاعت شعار ہوتی ہے ـــ (۵) رزقِ حلال کی طلب سے قوم سے رشوت، سود خوری، گراں فروشی وغیرھا مہلک اقتصادی امراض کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

اس کے برعکس ـــ رزقِ حرام سے پیدا ہونے والی بدنی اور دماغی قوت نافرمانی کی طرف رغبت کرتی ہے، اور وہ انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر مردود ہو جاتا ہے کہ اس کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی ـــ رزقِ حرام کے لیے محنت کرنے والے افراد اور قوم اپنا سارا وقت غیبت، غلط منصوبہ سازی وغیرہ میں صرف کر دیتے ہیں ـــ رزقِ حرام کی متلاشی قوم اور افراد دوسروں کی محتاج رہتی ہے ـــ رزقِ حرام سے پیدا شدہ اولاد عموماً بداعمال اور والدین کی نافرمان ہوتی ہے ـــ رزقِ حرام کا طلبگار گرانفروشی، سود بلکہ قتل تک کے کبیرہ گناہ کا مرتکب بن جاتا ہے۔ آج کے دور میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں اس مضمون کو شاہزادہ بلخ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر ختم کیا جاتا ہے، جب آپ سے

تمام ریاضت، مجاہدات کا لُبِ لباب اور خلاصہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "**رزقِ حلال**"

چنانچہ رزقِ حلال کی اہمیت اور عظمت پر علماء کرام نے مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں جیسا کہ علامہ سرخسیؒ نے ایک مستقل کتاب کتاب الکسب کے نام سے تحریر فرمائی جو اُن کی مبسوط کتاب مبسوط نامی میں شامل ہے مگر سب سے زیادہ مفصل اور محققانہ کتاب علامہ سمعانیؒ کی کتاب الانساب ہے جو ابھی تک اس لیے غیر معروف تھی کہ ایک تو وہ عربی زبان میں ہے دوسرا اس مادی دور میں ایسی کتاب کی نہ تو جستجو ہے اور نہ ہی اس کے مطالعہ کا شوق ہے ــــ اللہ تعالیٰ فاضل نوجوان محقق دوران مولانا عبدالقیوم حقانی مدرس دارالعلوم حقانیہ کو جزائے خیر دے کہ موصوف نے اپنی تدریسی اور دوسری علمی مصروفیات سے وقت نکال کر اس عظیم کتاب کا مطالعہ فرمایا اور پھر اس پر اپنے موضوع سے متعلق چیدہ چیدہ شخصیات کا انتخاب کر کے "الانساب" اور اسماء الرجال اور تاریخ کے دیگر مستند ماخذ سے استفادہ کر کے دلچسپ اور خاص اندازِ تحریر میں مضامین لکھ کر ملک و بیرون ملک کے نامور علمی، دینی جرائد میں عام فائدہ کے لیے شائع فرمایا، جو ماہنامہ الحق میں "علامہ سمعانیؒ سے ملاقات" کے عنوان سے قارئین کی دلچسپی اور ذوقِ مطالعہ و استفادہ کا بطورِ خاص مطمحِ نظر رہا ــ خدا کرے کہ موصوف اب اس کا جوہر اردو زبان میں مستقل کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کریں تو زیادہ نافع الخلائق ہو۔ اس گناہ گار کی رائے میں ان مضامین کی کتابی شکل میں اشاعت اس لیے بہت ہی ضروری ہے کہ اس سے ان طبقات کی دینی حوصلہ افزائی ہو گی جو رزقِ حلال کے لیے مختلف مکاسب اختیار کیے ہوئے ہیں، اور سوسائٹی میں ان کو معزز مقام حاصل ہو جائے گا۔

گلا گھونٹ کر مار ڈالے۔ اس اعتبار سے طلاق کا ضابطہ ایک صالح معاشرہ کی تعمیر کے لئے بہت ضروری ہے جو اکثر حالتوں میں مرد یا عورت کی جان بچاتا ہے۔ بلکہ واقعہ کے اعتبار سے اس میں عورتوں کی زندگی محفوظ رہتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے اس ضابطہ پر اگر صحیح معنی میں عمل کیا جائے تو اول تو طلاق کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اور اگر آئے بھی تو اس صورت میں مصالحت کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ ہاں خرابی صرف بیک وقت تین طلاقوں کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ مگر اس کے باوجود آج مسلم معاشرہ میں طلاقوں کی اتنی بھرمار نہیں ہے جتنی کہ مغربی ممالک میں پائی جاتی ہے اور اس سلسلے میں مخالفین کی جانب سے جو اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ حد درجہ مبالغہ آمیز ہوتے ہیں جس کا مقصد محض اسلامی قانون کو بدنام کرنا ہے۔

جب سید صاحب سرحدی علاقے میں مصروف پیکار ہو گئے۔ ہندوستان سے ہجرت کر کے اس لشکر میں شامل ہونے والوں کی تعداد کم و بیش آٹھ ہزار بتائی جاتی ہے۔ ۲۔ مالی امداد بھی ملک کے گوشے گوشے سے حاصل ہوتی رہی۔

۳۔ ملک کے مختلف علاقوں میں ایسے افراد تیار ہو گئے جنہوں نے آگے چل کر حریت پسندوں کی تنظیم کو سنبھالا خصوصاً بنگال اور بہار میں ایسے متعدد مراکز بن گئے تھے۔

۴۔ ۱۸۳۱ء میں واقعہ بالاکوٹ کے بعد بھی روحِ آزادی زندہ رہی جس کا نقطۂ عروج ۱۸۵۷ء تھا۔